# دین میں علم کی اہمیت

(گزشتہ سے پیوستہ)

کرنل (ر) محمد یونس

اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی معرفت کے ضمن میں چند روشن دلائل، جو سائنسی علوم سے حاصل ہوتے ہیں، ان کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔

(1) ایک متوسط انسان کے وجود میں تقریباً $6.7 \times 10^{27}$ جواہر (atoms) پائے جاتے ہیں۔ ایک جوہر اتنی دقیق ہستی ہے کہ ایک برقیاتی خورد بین (Electronic Microscope) اپنی ایک لاکھ گنا تکبیری طاقت کے باوجود اسے انفرادی طور پر نہیں دکھلا سکتی۔ اب ایک جوہر کا 99.9 فیصد مواد اس کے مرکزے میں مجتمع ہوتا ہے جو جوہر کے مقابلے میں بھی نہایت خفیف ہوتا ہے۔ اوسطاً ایک جوہر کا قطر اس کے مرکزے کے قطر سے دس ہزار گنا بڑا ہوتا ہے اور چونکہ کسی کرے کا حجم اس کے قطر کے مکعب کے متناسب ہوتا ہے لہٰذا ایک معین جوہر بھی اپنے مرکزے سے دس کھرب گنا (trillion times) بڑا ہوتا ہے۔ اب ان اعداد و شمار کو ذہن میں مستحضر رکھتے ہوئے اندازہ کیجئے کہ ایک جوہر کا مرکزہ کس قدر ناقابل فہم حد تک حقیر ہستی ہے، لیکن قادرِ مطلق نے اس مرکزے کو یکجا رکھنے کے لئے جو نووی بند توانائی (Nuclear binding energy) فراہم کی ہے وہ اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب ایک مرکزے کا انشقاق واقع ہوتا ہے۔ U-235 کے ایک مرکزے کے انشقاق سے 200 Mev (Million electron volts) توانائی رہا ہوتی ہے۔ اس حقیقت کے افشاء نے Atom bomb بنائے جانے کی راہ ہموار کی۔ اس تخلیق میں فن تعمیر کے کمال کا مظاہرہ ہے۔ کیونکہ کائناتِ اصغر (Microcosm) یعنی ذرات کی دنیا کائناتِ اکبر (Macrocosm) کا نقش ثانی ہے، جہاں الیکٹران (یا برقیے) چھوٹے چھوٹے سیاروں کی طرح مرکزے کے گرد نہایت سرعت سے گھوم رہے ہیں اور وحدت کائنات

پر شہادت دے رہے ہیں۔ ایک جوہر کا کمالِ فن تعمیر اور کیمیائی تجزیہ نہ صرف فہم انسانی کے لئے ایک چیلنج ہے بلکہ فاطر کائنات کی حیرت انگیز تخلیقی قوتوں اور بے پناہ علم و دانش کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔ اگر اس پر بھی کوئی شخص اللہ کی ہستی کا اقرار نہیں کرتا تو وہ ایک سائنس دان تو ہو سکتا ہے لیکن عقل سلیم کا مالک انسان ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ یقیناً تحت الانسانی سطح پر زندگی بسر کر رہا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا فرمایا ہے' لیکن اس کی ابتداء مٹی سے کی جو عناصر اربعہ یعنی آگ' پانی' ہوا اور مٹی میں سے حقیر ترین عنصر ہے۔ اس کے جسم کے اجزائے ترکیبی کا تناسب کچھ اس طرح ہے کہ اس میں 65 فیصد آکسیجن' 18 فیصد کاربن' 10 فیصد ہائیڈروجن' 3 فیصد نائٹروجن' 3 فیصد کیلشیم اور ایک فیصد فاسفورس ہے۔ ان چھ عناصر کا مجموعہ انسانی جسم کا 99 فیصد بنتا ہے۔ باقی ماندہ ایک فیصد میں کئی علامتی عناصر ہیں۔ مثلاً بنفشین (iodine)' لوہا (Iron)' تانبا (Copper)' کوبالٹ (Cobalt)' میگنیشیم (Magnesium)' منگنیز (Manganese)' نمک (Na Cl)' پوٹاشیم (Potassium) اور جست (Zinc)۔ اب آپ خلاق العظیم اللہ کے اس تخلیقی کارنامے پر غور کیجئے کہ اپنی بہترین مخلوق کی ابتداء حقیر ترین عنصر سے فرمائی جو Engineering Economics کے لحاظ سے کمالِ صناعی کا مظاہرہ ہے اور پھر اپنی قدرت' ندرت اور رعنائی کا اظہار یوں فرمایا ہے کہ ان چھ عناصر سے پیدا ہونے والے اربوں بلکہ کھربوں انسان نہ صرف اپنی ظاہری شکل و شباہت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ Genetically بھی منفرد ہیں۔ یہ ذاتی تشخص ہر خلئے میں موجود ہے' خصوصاً چھوٹے لِمفی خلیوں میں' جو پورے جسم میں ذاتی شناخت یا نشاندہی کے لئے رواں دواں رہتے ہیں۔ ذاتی تشخص کی یہ خصوصیت نہ صرف انسانوں میں موجود ہے بلکہ حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ کیا یہ اندھے' بہرے مادے کی کارستانی ہو سکتی ہے؟

3) ہم میں سے ہر شخص خلا میں ایک نہایت پیچیدہ راستے پر رواں دواں ہے۔ ہماری زمین بیک وقت تین سفر کر رہی ہے۔ اولاً ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے محوری گردش میں مصروف ہے۔ ثانیاً 6800 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سورج کے گرد مداری گردش پر گامزن ہے اور ثالثاً 44000 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پورے نظامِ

شمسی کے ہمراہ مرکز کہکشاں کے گرد گھوم رہی ہے۔ کیا آپ نے کبھی اس رفتار کو محسوس کیا ہے؟ مگر آپ سب نے کسی موٹر کار یا بس میں سفر کرتے ہوئے یہ مشاہدہ تو ضرور کیا ہو گا کہ اگر گاڑی کے پہیے متوازن (Balanced) نہ ہوں تو رفتار بڑھنے سے گاڑی میں ڈگمگاہٹ پیدا ہو جاتی ہے جو صرف ایک دواری گردش (Rotary motion) کی وجہ سے ہے۔ اب آپ خداوند قدوس کی کاریگری کے کمال کا اندازہ لگائیے کہ کس نفاست سے اس زمین کو توازن عطا کیا ہے کہ بیک وقت تین مختلف الانواع حرکات کے باوجود اس میں کوئی قابل ادراک تھرتھراہٹ نہیں۔ اسی حقیقت کے پیش نظر ایک سائنسدان یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ :

*God Almighty must have balanced this trembling Universe with utmost precision*

اس ناقابل فہم توازن کو برقرار رکھنے کے لئے اس خلاق العظیم نے زمین پر پہاڑ نصب فرما دیئے۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿ وَ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ ﴾ "اور اس نے زمین میں پہاڑ قائم کر دیئے مبادا کہ وہ تمہیں لے کر کسی طرف جھک جائے"۔

4) اور پھر زمین کے اردگرد تقریباً 200 میل تک ہوائی کرہ پھیلا ہوا ہے جس کے بغیر ہماری زندگی ناممکن ہو جاتی۔ یہ ہوائی کرہ سات مختلف خصوصیات کے حامل طبقات پر مشتمل ہے۔ مثلاً

*Troposphere, Stratosphere, Mesosphere, Chemosphere, Thermosphere, Ionosphere and Exosphere.*

Troposphere موسم اور بادلوں کا خطہ ہے جس میں بلندی میں اضافے کے لحاظ سے حرارت کم ہوتی جاتی ہے اور ہوائی دباؤ بھی اسی تناسب سے کم ہوتا جاتا ہے۔ منطقات معتدلہ (Tropical Regions) میں سطح سمندر پر درجہ حرارت 15c اور ہوائی دباؤ 14.7 lb./sq.in. ہوتا ہے جبکہ سات میل کی بلندی پر درجہ حرارت منفی 56c ہو جاتا ہے اور ہوائی دباؤ 4.9 lb./sq.in. رہ جاتا ہے۔ اس کے اوپر ایک خطہ ہے جو Tropopause کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں قدرت نے اوپر اور نیچے کے طبقات کے مقابلے میں ایک ماحولیاتی ثبات پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ خطہ موسم کے اثرات سے محفوظ ہے اور عموماً ہمارے Jet Airliners اس خطے میں پرواز کرتے ہیں۔ اسی

لئے تو ارحم الراحمین نے فرمایا ہے کہ ﴿ وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ ﴾ (ابراہیم : 34) "اور عطا کیا تم کو ہر اس چیز میں سے جو تم نے مانگی (یا مانگنا چاہتے) اور اگر تم لوگ اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ یقیناً انسان ظالم اور ناشکرا ہے"۔ Stratosphere ہوائی کرے کا وہ خطہ ہے جہاں بلندی کے ساتھ ساتھ درجہ حرارت بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد Mesosphere کا طبقہ ہے جہاں بلندی کے ساتھ درجہ حرارت گرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے اوپر Chemosphere ہے جہاں Photochemical Reaction یعنی ضیائی کیمیائی تعامل شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیمیائی تعامل بالائے بنفشی شعاعوں کے زیر اثر شروع ہوتا ہے۔ اس خطے میں قدرت نے Ozone گیس جمع فرمادی ہے جو بالائے بنفشی شعاعوں کو جذب کر کے سورج کے مضر اثرات سے زمین کے مکینوں کو محفوظ رکھنے میں صف اول کے دفاع کا کام کرتی ہے۔ اس کے اوپر Ionosphere کا طبقہ ہے۔ یہ بالائی ماحول کا علاقہ ہے جہاں ہوا کے ذرے بالائے بنفشی شعاعوں کے زیر اثر برقی باردار ہو جاتے ہیں اور اس رواں سازی (Ionization) کی وجہ سے چار تہوں میں مجتمع ہو جاتے ہیں۔ مثلاً D-layer، E-layer، F-1 layer اور F-2 layer ـــــ long radio waves کو E-layer منعکس کرتا ہے اور Short Radio waves کو F-layer منعکس کرتا ہے۔ F-layer ہی وہ علاقہ ہے جو شہابِ ثاقب کی مزاحمت کر کے انہیں جلا دیتا ہے۔ Exosphere کا طبقہ اس کے اوپر آتا ہے، جہاں ہوا اس قدر لطیف ہو جاتی ہے کہ زمین کی سطح کے مقابلے میں اس کی کثافت دس کھرب واں حصہ (one million-millionth) رہ جاتی ہے۔ یہ قطعہ بین السیارات فضائے بسیط تک جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

(5) ہمارا سورج زمین سے 9 کروڑ 30 لاکھ میل کے فاصلے پر نصب کردہ ایک عظیم پاور ہاؤس ہے۔ اس کا اپنا ایک نظام ہے جسے نظامِ شمسی کہتے ہیں۔ اللہ نے نظامِ شمسی میں سورج کو صدر کی حیثیت دے رکھی ہے۔ اس کا قطر 14 ملین کلو میٹر ہے جبکہ زمین کا قطر صرف 12740 کلو میٹر ہے۔ اس کا مواد زمین سے 330,000 گنا زیادہ ہے۔ اگر سورج کو ایک خول تصور کیا جائے تو اس کے اندر 14 لاکھ زمینیں سما سکتی ہیں۔ اس کی عمر کا صحیح

اندازہ تو صرف اللہ کو ہے تاہم سائنس دانوں کے تخمینے کے مطابق اس کا life span 10,000 ملین سال ہے۔ اس کی موجودہ عمر 4600 ملین سال ہے۔ یعنی سورج اس وقت اپنے جوبن پر ہے۔ اس طویل المیعاد کارگزاری کے دوران نہ اس کی تمازت میں کوئی کمی واقع ہوئی ہے اور نہ اس کی رفتار میں' اور نہ ہی یہ اپنے مدار سے سرمو سرکا ہے۔ ذرا غور فرمایئے! اگر ایک ملین سال کے عرصہ میں اس کی رفتار میں ایک سیکنڈ کی کمی بیشی بھی واقع ہو جاتی تو اب تک 4600 سیکنڈ کا فرق واقع ہو جاتا۔ اندازہ لگایئے کہ خدائے ذوالجلال کی صناعی کس قدر کامل ہے' اس کی منصوبہ بندی کتنی بے عیب ہے' اس کا علم کتنا ہمہ گیر و لامحدود ہے اور اس کی تخلیق میں اور پیش بینی میں کس درجے کی precision ہے۔ اب سورۂ یٰسین کی آیت 38 ذہن میں لایئے جہاں ارشادِ باری ہے : ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ ﴾ "اور سورج اپنے مقرر کردہ راستے پر چل رہا ہے' یہ خدائے غالب و دانا کی منصوبہ بندی ہے"۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے! کیا مذکورہ بالا حقائق تک رسائی ہم بغیر علم و تحقیق کے حاصل کر سکتے تھے؟ کیا خداوند قدوس کی اس عظیم صناعی کو بھانپ سکتے تھے؟ اسی لئے علامہ اقبال نے فرمایا :

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

لیکن کیا قرآن کا مقصد نزول' جو ہماری رہنمائی اور ہدایت کے لئے حتمی اور یقینی سرچشمہ ہے' بغیر سمجھ بوجھ کے اس کی تلاوت سے حاصل ہو سکتا ہے یا بغیر فہم و ادراک کے اسے رٹ لینے سے وہ ہدایت اور رہنمائی نصیب ہو سکتی ہے؟ لیکن اتنا بڑا سورج بھی ربّ العالمین کی صنّاعی میں صرف ایک چراغ کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الفرقان میں اسے چراغ (سراج) ہی کا نام دیا گیا ہے : ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ۝ ﴾

(6) اس وسیع و عریض کائنات میں دیو پیکر یعنی Gaints and Super Giants بھی موجود ہیں' مثلاً کینوپس (Canopus) سورج سے 200 گنا بڑا اور 1500 گنا زیادہ منور ستارہ ہے۔ اس کا قطر 27 کروڑ 68 لاکھ میل ہے اور زمین سے

اس کا فاصلہ 93 نوری سال ہے۔ (نوٹ کیجئے کہ روشنی کی رفتار 186,000 میل فی سیکنڈ ہے لہٰذا ایک سال میں روشنی 58 کھرب' 165 ارب' 69 کروڑ اور 60 لاکھ میل کا سفر طے کرتی ہے۔ اس فاصلہ کو نوری سال کہتے ہیں۔ جو وسعت کائنات کی پیائش کے لئے اکائی ہے۔ Antares سورج سے 430 گنا بڑا اور 500 گنا زیادہ منور ستارہ ہے' اس کا قطر 59 کروڑ 52 لاکھ کلو میٹر ہے اور یہ ہم سے 330 نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ Betelgeuse سورج سے 500 گنا بڑا اور 17000 گنا زیادہ منور ستارہ ہے۔ اس کا قطر 69 کروڑ 20 لاکھ کلو میٹر ہے۔ یہ زمین سے 270 نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ اسے آسمان میں نظر آنے والے ستاروں کا شہنشاہ مانا گیا ہے۔ اس کے شعلے 5 کروڑ میل تک بلند ہوتے ہیں۔ سفائی (W-Cephie) سورج سے ایک ہزار گنا بڑا ہے اور اس کا قطر 86 کروڑ 50 لاکھ میل ہے۔ Auriga Constellation میں ایک ستارہ آری گائی (Aurigai) ہے۔ یہ سورج سے 2000 گنا بڑا ہے۔ اس کا قطر ایک ارب 73 کروڑ میل ہے۔ اس سے اٹھنے والے شعلوں کا اندازہ کرنا ممکن نہیں' کیونکہ بے انتہا دور ہونے کی وجہ سے اس کی مکمل تحقیقات ابھی تک حاصل نہیں ہو سکیں۔ اگر آری گائی کو سورج کے مدار میں رکھ دیا جائے تو یورینس سیارہ اس کے محیط کے اندر آجائے گا اور نظامِ شمسی کی آخری حدوں تک شعلے ہی شعلے ہوں گے۔ یہ سب ستارے آگ کے کرے ہیں جن کے شعلے کروڑوں میل بلند ہوتے ہیں۔ ان کی مہیب اور دہشت ناک شکل اللہ تعالیٰ کی قوتِ جلالی کا ادنیٰ مظاہرہ پیش کرتی ہے۔ S.Doradus ہم سے 150,000 نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے اور ہمارے سورج سے 5 لاکھ گنا زیادہ روشن ہے۔ اس کی چمک کے سامنے ہمارے سورج کی چمک ایک ادنیٰ چراغ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ کچھ عرصہ قبل آسٹریلوی اور برطانوی سائنس دانوں کی ٹیم نے ایک Quasar کا انکشاف کیا ہے اور اس کا نام Pks 8000 minus 300 رکھا ہے۔ یہ زمین سے 18 بلین نوری سال کے فاصلے پر ہے اور یہ بعید ترین اور منور ترین معروض ہے جو کائنات میں ایک سو ملین ملین سورجوں کی روشنی بکھیر رہا ہے۔ ان چند مثالوں سے آپ اللہ تعالیٰ کی شانِ خلاقی اور کبریائی پر غور کیجئے کہ کس نفاست اور کس کمال قدرت و حکمت سے ان کو پابند نظم و ضبط کر رکھا ہے کہ ان بے شمار اجرام فلکی میں سے کوئی نہ تو اپنے مدار سے بال برابر سرک سکتا

ہے اور نہ یہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں' حالانکہ حیرت انگیز رفتاروں سے رواں دواں ہیں۔ کائنات میں ہر سو حرکت ہی حرکت ہے اور حرکت بھی بے پناہ۔ بقول علامہ اقبال ؎

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات اِک تغیر کو ہے زمانے میں

اسی طرح کائناتِ اکبر (Macrocosm) یعنی ارض و سماوات کی دنیا اس قدر وسیع' پُراسرار اور پیچیدہ ہے کہ نہ تو فہم انسانی اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ موجودہ آلاتِ بینائی اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ یہ بیکراں فضائیں' جو بڑی سے بڑی دُوربین کی زد سے باہر ہیں' اللہ تعالیٰ کی دانش و ذہانت کی علامات ہیں۔ ہماری کہکشاں ستاروں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں ستاروں کے علاوہ کثیر مقدار میں دخانی مادہ بھی موجود ہے۔ اس کے اندر تقریباً ایک لاکھ ملین ستارے رواں دواں ہیں۔ اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ایک لاکھ نوری سال کا فاصلہ ہے۔ ہر ستارے سے دوسرے ستارے تک کھربوں میل تک کا فاصلہ ہے۔ اس عظیم کائنات میں ہماری کہکشاں جیسی کھربوں کہکشائیں گردش میں ہیں۔ ہر کہکشاں اپنا ایک الگ وجود اور آزاد حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اپنے مراکز کے گرد بھی گھومتی ہیں اور ساتھ ہی اپنے مقام سے دُور چلی جا رہی ہیں۔ ہماری کہکشاں ان تمام ستاروں کے ساتھ جو آسمان میں نظر آ رہے ہیں' 4 لاکھ 68 ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے شمال کی طرف دوڑی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ 3 اور کہکشائیں بھی برہنہ آنکھ سے دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایک کا نام Andromeda ہے اور دوسری دو Magellanic clouds کہلاتی ہیں۔ اینڈرومیڈا سب سے بڑی ہے' اس میں $10^{16}$ سورجوں کے مادہ سے بھی زیادہ مادہ موجود ہے۔ اس میں سینکڑوں عظیم الشان ستارے ہیں جو ہمارے انثارس اور بٹل گیز سے بھی کئی گناہ بڑے اور زیادہ منور ہیں۔ یہ کہکشاں ہم سے 21 لاکھ 80 ہزار نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ میگلانک کلاؤڈز میں سے پہلی ہم سے ایک لاکھ 70 ہزار نوری سال اور دوسری 2 لاکھ نوری سال دُور ہے۔ ان دونوں میں مجموعی طور پر ایک کھرب سے بھی زائد ستارے ہیں جن میں کئی عظیم اور عظیم تر ہیں۔ ان کے علاوہ ان کہکشاؤں میں بے انتہا منور ستارے بھی پائے جاتے ہیں۔

Mount Wilson Palomar کی رصد گاہ میں نصب کردہ دو سو انچ لمبی دوربین سے تقریباً ایک ارب کہکشائیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس وسیع و عریض کائنات میں چاروں طرف کہکشائیں ہی کہکشائیں ہیں جو کھربوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہیں۔ بہرحال ان کی تعداد کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ از روئے الفاظ قرآنی :

﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ﴾ (المدثر : 31)

"اور اللہ کے لشکروں کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔"

پیٹر مل مین لکھتا ہے کہ دور افتادہ کہکشاؤں (Galaxies) اور جھمگٹوں (Clusters) کو دیکھنا انسان کی قوت سے باہر ہے' اس لئے کہ وہ بے انتہا دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی وسعتوں کو محدود نہیں رکھا' بلکہ وہ بڑھتی ہی جا رہی ہیں۔ کائنات کی یہ وسعتیں ہمارے لئے سوائے حیرت کے کچھ نہیں۔ ہمارے اعداد و شمار ان کے سامنے بیکار ہیں۔ یہ عجائباتِ ارض و سماء ان لوگوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہیں جو اس کائنات کی وسعتوں کو محدود سمجھتے ہیں یا اس کی تخلیق کو دیوی دیوتاؤں کی طرف منسوب کرتے ہیں یا مادہ کو ہیولیٰ اول گردانتے ہوئے اسے ازلی و ابدی قرار دیتے ہیں یا اس کائنات کی تخلیق کو ایک حادثہ تصور کرتے ہیں' کیونکہ سائنس کی اب تک کی معلومات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ :

(ا) اس کائنات کی وسعت بیکراں ہے۔

(ب) یہ کائنات ایک نہایت مربوط و منظم سلسلۂ کون و مکان ہے' جس میں ہر سو ترتیب' متانت اور استقامت کا مظاہرہ ہے۔

(ج) مظاہر قدرت کی ہر چیز کی ایک معین عمر ہے جس کے اختتام پر وہ فنا ہو جاتی ہے' حتیٰ کہ الیکٹران' پروٹان اور نیوٹران وغیرہ بھی۔

(د) اس کائنات کی ہر چیز مادی ہے لیکن خود مادہ کہاں سے اور کیونکر وارد ہوا' اس کا کوئی معقول جواب نہ سائنس دے سکتی ہے اور نہ ہی کوئی سائنسدان۔

(ھ) سائنس دانوں کا آخری مفر (escape) یہ ہے کہ مادہ پہلے سے موجود تھا۔ ابتداءً وہ ہستی کے تمام کمالات سے عاری تھا۔ نہ اس میں زندگی تھی' نہ علم' نہ ارادہ' نہ شعور' نہ قدرت۔ پھر رفتہ رفتہ ارتقاء کے مختلف مدارج سے کرتے ہوئے خود بخود

اس میں ان نابود اور معدوم اوصاف کا نمود شروع ہوا' یعنی جو نہ تھا وہ ہوا اور ہو رہا ہے۔ بالفاظ دیگر نیستی سے ہستی کی پیدائش ہوئی اور ہو رہی ہے۔ یہ ایک نہایت احمقانہ ادعا ہے جس کے لئے ان کے پاس کوئی علمی یا عقلی دلیل نہیں۔ ایک طرف تو وہ کسی غیر محسوس اور غیر مشہود ذات کے وجود کے منکر ہیں اور دوسری طرف بے بس و مجبور ہیں کہ نہ صرف مادہ کے از خود موجود ہو جانے کے قائل ہو رہے ہیں بلکہ نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اس میں تمام صفاتِ کمال کے خود بخود نمودار ہونے کا دعویٰ بھی کر رہے ہیں۔ یہ عقلی فقدان اور غیر معقول استدلال کی بدترین مثال ہے۔ چنانچہ پروفیسر اسٹارٹ اپنی کتاب "مائنڈ اینڈ میٹر" میں ذہنی صفات کی نیرنگیوں کا اندازہ کرتے ہوئے اس بے ربطی کو' جو مادہ اور ذہنی مظاہر میں ہے' ان الفاظ میں ادا کرتا ہے :

"جہاں کہیں سے بھی ذہن شروع ہوتا ہوا سمجھا جائے وہ اس طرح ناگہانی طور پر نمودار ہوتا ہے جیسے طپنچہ سے گولی جو پہلے سے طپنچہ میں موجود نہ ہو ـــــ ذہن کا مادہ سے پیدا ہونا مادی دنیا میں فطرت کے سارے نظام کے منافی و مناقض ہے۔ یہ گویا عدم سے وجود کی تخلیق کے معجزے کا قائل ہونا ہے"۔

(و) اس کائنات کی تخلیق کے بارے میں "The Big Bang Theory" بھی ایک نامعقول ' غیر منطقی' غیر سائنسی اور خیالی اِدعا ہے۔ یہی حال "The Steady State Theory" کا بھی ہے۔ George Lamaitre نے 1931ء میں یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ 18000 ملین سال قبل ایک کائناتی بیضے کے دھماکے سے پھٹنے سے اس کائنات کا آغاز ہوا۔ تمام کہکشائیں' جو آج نظر آ رہی ہیں' اسی دھماکے کے ریزے ہیں۔ یہ کائناتی انڈا کہاں سے آیا اور کیسے وجود پذیر ہوا؟ اس کا کوئی معقول جواب نہ تو جارج لیمیٹر دے سکے اور نہ سائنس کبھی دے سکتی ہے۔ کیونکہ کائنات کے آغاز تک مشاہدے کی رسائی ہے ہی نہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایک کائناتی بیضہ آج سے 18000 ملین سال قبل دھماکے سے پھٹا ہو گا تو بھی ہمارا مشاہدہ اور تجربہ تو یہ ہے کہ

دھماکے سے پھٹنے والے مادے میں نہ نظم ہوتا ہے نہ ضبط۔ بلکہ اس سے ایک بے ربطی اور ہنگامہ رو پذیر ہوتا ہے' انتشار اور انفصال واقع ہوتا ہے۔ پھیلتی ہوئی گیسیں نہایت بے ڈول اور بے ترتیب انداز میں کمترین مزاحمت کا راستہ اختیار کرتی ہیں۔ لیکن یہاں نظم و ضبط کی انتہا ہے' پابندی اوقات بے مثال ہے' تمام اشیاء سائنٹیفک فارمولوں اور ریاضی کے اصولوں کے تحت مصروفِ عمل ہیں۔ اجرامِ فلکی کی تخلیق جو خود سہار قوت کے مالک نہایت منور کروں پر مشتمل ہے' انسانی فہم و ادراک سے ماوراء ہے۔ ان کا حیرت انگیز نظام' پنہائیاں اور فاصلے' پیچیدہ مدار' باہمی کشش وجذب اور طوفان ہائے نور کسی حادثے کا نتیجہ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اس قسم کی سوچ ایک بیمار ذہن کی پیداوار ہے اور ظلم اور ہٹ دھرمی کی انتہا ہے۔ اس کیفیت کو سورۂ یونس کی آیت 39 میں بخوبی واضح کیا گیا ہے :

﴿ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ﴾

"انہوں نے بس صرف اس لئے جھٹلا دیا کہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی یا ان کے حواس کی گرفت میں نہ آسکی اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی نہیں۔"

(ز) اس کے مقابلے میں وحی اور نبوت والوں کا ارشاد ہے کہ وجود' زندگی' علم' ارادہ' ادراک و شعور' قوت و قدرت وغیرہ صفات' جنہیں انسان وجود کا کمال سمجھتا ہے یا کمال سمجھ سکتا ہے' کائنات کا بنیادی وجود ان تمام صفاتِ کمال سے ازلاً یعنی ہمیشہ سے موصوف ہے۔ یعنی ہمارے سامنے "نابود" کی "نمود" اور "بود" ہو رہی ہے۔ جو نہ تھا وہ نہیں ہوا بلکہ جو تھا وہی ہوا اور ہو رہا ہے۔ اب آپ غور فرمایئے کہ کیا عقل کے لئے اس کا ماننا آسان ہے یا اس کا کہ جو نہ تھا وہی ہوا اور ہو رہا ہے۔

حقیقت دراصل یہ ہے کہ الحاد اور دہریت کا مرتکب وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے عقل اور فطرت دونوں برباد کر لئے ہوں۔

## قرآن تحقیق کی دعوت دیتا ہے

قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے کہ قرآن تحقیقات کی کھلی دعوت دیتا ہے۔ مثلاً سورۃ العنکبوت میں ارشاد ہے :

﴿ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ... ﴾ (آیت 20)

"ان سے کہو کہ زمین میں چلیں پھریں اور دیکھیں کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو پیدا کیا (یعنی کس طرح عالم کی ابتداء کی)"۔

اور سورۂ یونس میں ارشاد ہے :

﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (آیت 101)

"آپ فرما دیجئے کہ وہ دیکھیں کہ کیا کیا چیزیں آسمانوں اور زمین کے بیچ میں ہیں۔"

اسی طرح سورۃ الانبیاء کی آیت 30 میں ارشاد ربانی ہے :

﴿ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ﴾

"کیا ان منکرین نے نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین باہم ملے ہوئے تھے' پھر ہم نے ان کو جدا کیا۔"

کیا یہ منکرین' جو تخلیق کائنات کو ایک قدیم حادثہ قرار دیتے ہیں' ہماری طرح یہ یقین کرنے والے تھے کہ آسمان اور زمین شروع میں باہم ملے ہوئے تھے اور بعد میں جدا کئے گئے؟ 1920ء تک کسی کو اس حقیقت کا علم نہ تھا۔ بعد ازاں جب بڑی بڑی دُوربینیں بنیں تو تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا کہ ساری کائنات شروع میں یکجا تھی' بعد میں الگ کر دی گئی اور سورج اور ستاروں میں منقسم ہو گئی۔ گویا اس آیت کی صداقت دُوربینوں کی ایجاد کے بعد واضح ہو گئی۔ اسی طرح سورۂ ق میں ارشاد باری ہے۔

﴿ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ○ وَّالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ○ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ○ ﴾ (آیات 6'7'8)

"کیا ان لوگوں نے آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو کیسے بنایا اور مزین کیا اور اس میں کوئی خامی نہیں۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کو جمایا اور اس میں ہر قسم کی خوشنما چیزیں اُگائیں جو آنکھوں کو کھولنے والی اور سبق آموز ہیں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لئے۔"

اب ذرا غور فرمایئے کہ ان آیات میں الفاظ فَانْظُرُوْا' اُنْظُرُوْا' اَوَلَمْ يَرَ اور يَنْظُرُوْا سے

کیا صرف آنکھوں سے دیکھنا ہی مطلوب ہے یا کچھ اور؟ دیکھنے کو تو ہم جب سے پیدا ہوئے ہیں آسمان کی طرف نگاہیں دوڑاتے ہی رہتے ہیں۔ شہروں کے آلودہ ماحول میں کچھ ٹمٹماتے ہوئے ستاروں پر ہماری نظر پڑتی ہے۔ پہاڑوں کی بلندیوں پر، جہاں فضا شہروں کی طرح مکدر نہیں ہوتی، بہت زیادہ تعداد میں ٹمٹماتے ہوئے ستارے نہایت خوشنما اور دل کو لبھانے والا منظر پیش کرتے ہیں۔ ہم اس منظر کو دیکھ کر قدرت کی حیرت انگیزیوں اور کرشمہ سازیوں کا اقرار کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ سپاس گزاری کے انداز میں قدرت کی کاریگری کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ کیا ہمارے ان اتفاقی مشاہدوں سے ہمیں کچھ اور بھی حاصل ہوتا ہے؟ قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر ایسی نصوص پائی جاتی ہیں جن میں مسلمانوں کو تحصیل علم کے ساتھ زمین و آسمان کی تخلیق، کواکب و اجرامِ فلکیہ کے نظامات، دن اور رات کے اُلٹ پھیر، ہواؤں کے تغیرات، سمندروں کے عجائبات، مختلف عناصر اور متفرق قویٰ کے امتزاج سے انسان کی حیرت انگیز تخلیق، پھر اسے عقل و شعور اور تفکر و تدبر کی صلاحیت عطا کر کے دوسری مخلوق پر واضح فوقیت و فضیلت عطا فرمانا اور پھر جمادات، نباتات اور حیوانات کو اس کی خدمت کے لئے مسخر کئے جانے کے بارے میں غور و فکر کی ہدایت دی گئی ہے۔ قرآن ہی انسان کو تسخیر کائنات کے حوصلے عطا کرتا ہے۔ دوسرے علوم خاص طور پر سائنس کو قرآن حکیم کے فہم کا ذریعہ سمجھ کر سیکھنا اور پڑھنا خود قرآن مجید سے ثابت ہے۔ چنانچہ حم السجدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ (آیت 53)

"ہم اپنی نشانیاں ان کو آفاق میں (یعنی ان کے اپنے ماحول میں) بھی دکھائیں گے اور خود ان کے نفس میں بھی حتیٰ کہ یہ بات ان پر بالکل واضح ہو جائے گی کہ یہ قرآن سراسر حق ہے"۔

بہرحال ایک بندۂ مومن کے لئے لازم ہے کہ وہ یہ حقیقت خوب اچھی طرح سے سمجھ لے کہ منبع ہدایت صرف قرآن مجید ہے اور نبی کریم ﷺ کی تنبیہ ہمیشہ اس کے پیش نظر رہنی چاہئے کہ ((وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى مِنْ غَيْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ)) "جو شخص قرآن کو چھوڑ کر کہیں اور سے ہدایت تلاش کرے گا اللہ اسے لازماً گمراہ کر دے گا"۔

## مسلمانوں کا علمی عروج

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے قرآن حکیم کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے تخلیقی کارناموں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے تحقیقات کا آغاز کیا۔ پہلے انہوں نے فلکیاتی مشتملات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے رصد گاہیں قائم کیں اور چونکہ فلکیاتی تحقیقات کا انحصار سائنٹیفک علوم کی فراوانی پر ہے' لہٰذا انہوں نے طبیعیاتی اور حیاتیاتی علوم اور ریاضی میں بھی تحقیقات شروع کیں اور نتیجتاً کئی متعلقہ علوم کو جنم دیا۔ مثلاً الجبرا' جیومیٹری' علمِ کیمیا' علمِ طبقات الارض اور علمِ موسمیات وغیرہ۔ ان کے علاوہ طب میں قابلِ صد افتخار کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ہمارے اسلاف کی علمی تحقیقات' سائنسی ایجادات' ادبی تصنیفات اور صنعت و حرفت کے میدان میں غیر معمولی کارنامے ہمارے لئے سبق آموز بھی ہیں اور عبرت انگیز بھی۔ اپنے بزرگوں کی بیش قیمت تصنیفات کو یورپ کی لائبریریوں میں دیکھ کر علامہ اقبال کے قلبِ حساس کے احساسات یہ تھے ؎

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

## عربوں کی علمی ترقی کے بارے میں مؤرخین کی رائے

(1) فلپ کے ہٹی History of the Arabs میں لکھتا ہے کہ علمِ فلکیات میں عربوں نے کافی ترقی کی تھی۔ انہوں نے جن ستاروں اور constallations کی تحقیقات کی تھیں ان کے عربی نام رکھے۔ علمِ ریاضی میں صفر(zero) کا گراں قدر اضافہ کرکے اس کو اس مقام پر پہنچادیا کہ آج ساری دنیا حساب اور گنتی میں اسی پر عمل پیرا ہے۔ انہوں نے پیشۂ طب کے معیار کو اتنا بلند کیا کہ اس پیشہ کو اختیار کرنے کے لئے خلیفہ مامون الرشید کے زمانے سے ہی اطباء کو حکومت کا مقرر کردہ امتحان پاس کرکے سند حاصل کرنا پڑتی تھی۔ چنانچہ صرف بغداد میں اس وقت بھی تقریباً 860 سند یافتہ ڈاکٹر تھے۔

(2) ڈریپر لکھتا ہے کہ عرب ہر معاملہ میں جستجو اور تحقیق کرنے کے عادی تھے۔ علمِ فلکیات میں انہوں نے جو ترقی کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے رصد گاہیں

بنائیں، تحقیقات کرنے کے لئے فلکی آلات استعمال کئے، اصطرلاب اور ربع دائرہ بنایا، ستاروں کے نقشے بنائے، زمین کا قطر اور حجم معلوم کیا، سورج گرہن اور چاند گرہن کے اوقات کا تعین کیا، سال کا صحیح وقت معلوم کیا، ریاضی میں ہندسوں کے استعمال کا طریقہ ایجاد کیا۔ دنیا کو الجبرا اور جیومیٹری سکھائی۔ علمِ کیمیا انہی کی ایجاد ہے۔ گندھک اور چاندی کے ترشے بنائے، الکوحل دریافت کیا، مرکب بنانے کے طریقے ایجاد کئے۔ ان کی تجربہ گاہیں عصری آلات سے مزین تھیں۔ طبیعیات میں انہوں نے کافی ترقی کی، قانونِ جذب و کشش دریافت کیا، نقل و حرکت، پُلی اور لیور کے فوائد معلوم کئے، سیال اور ٹھوس چیزوں کے وزن معلوم کرنے کا طریقہ دریافت کیا، شعاعِ مخنی کے راستوں کا تعین کیا، مرکب دواؤں کے استعمال کا طریقہ ایجاد کیا۔ علمِ بصریات میں سابقہ نظریات کو غلط ثابت کر کے صحیح اصول بنائے، الغرض انہوں نے وہ سب کچھ ایجاد کیا جس کو ہم اب اپنی ایجاد سمجھتے ہیں۔

(3) پنڈت جواہر لال نہرو، اپنی کتاب Glimpses of the World History میں لکھتا ہے کہ عربوں سے پہلے مصر، چین اور ہندوستان میں کوئی سائنٹیفک علم نہیں تھا۔ بالکل معمولی علم یونان میں پایا جاتا تھا۔ روم میں تو بالکل مفقود تھا۔ مگر عربوں نے سائنٹیفک علوم کی بنیاد ڈالی اور وہ Father of Modern Science کہلانے کے مستحق ہیں۔

## مسلمانوں کی علمی ترقی کے خلاف سازشیں :

مسلمانوں کی اس حیرت انگیز علمی ترقی سے یہودی اور عیسائی راہب بہت خائف تھے، کیونکہ انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ مسلمانوں کی اس علمی ترقی سے ان کی تحریفات کا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور ان کے تحریف کردہ مذہبی نظریات غلط ثابت ہو جائیں گے۔ لہٰذا وہ گھناؤنی اور منظم سازش کے تحت مسلمان علماء کے بھیس میں مسلمانوں میں یہ پروپیگنڈا کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ علمی تحقیقات قرآنی نظریات کے خلاف ہیں، اس لئے مسلمانوں کو علمی تحقیقات سے گریز کرنا چاہیئے۔ چنانچہ مسلمان گیارھویں اور بارھویں

صدی عیسوی کے دوران تحقیقات تو کجا علم ہی سے دُور ہو گئے اور رفتہ رفتہ ملائیت کے بحر زخار میں ڈبو دیئے گئے، جہاں وہ اب تک ڈبکیاں کھا رہے ہیں اور نکلنے کا راستہ نہیں پا رہے۔ بقول عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

وَمَا اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ
وَاَحْبَارُ سَوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

"اور دین کو نہیں برباد کیا مگر بادشاہوں نے اور ملاؤں نے اور پیشہ ور راہبوں نے" ـــــ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ!

یہ مقالہ Institute of Floriculture Department of food and Agriculture Lahore میں پڑھا گیا۔

## کتب حوالہ


1) قرآن مجید
2) معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانی
3) الدین القیم، سید مناظر احسن گیلانی
4) اللہ کی عظمتیں، عزیز احمد
5) مظاہر الحق جدید، شرح مشکوٰۃ شریف، از افادات علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی
6 *Stars and Planets by Ian Ridpeth*
7 *Elements of Nuclear Engineering by Glenn Murphy*



قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔